کتنی سُرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار!

اویس پاشا قرنی ☆

مورخہ ۲ فروری ۲۰۱۴ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت قرآن آڈیٹوریم میں محاضراتِ قرآنی بعنوان "The Process of Creation A Quranic Perspective" کا انعقاد کیا گیا۔ دراصل یہ عنوان مؤسس انجمن محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی اہم فلسفیانہ تحریر 'ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک' تنزل اور ارتقاء کے مراحل'' کے انگریزی ترجمے کا عنوان ہے۔ اس اہم کتاب کو انگریزی قالب میں ڈھالنے کا کام موجودہ صدرِ انجمن محترم ڈاکٹر ابصار احمد نے بڑی عرق ریزی اور مہارت سے انجام دیا ہے۔ اس محاضراتِ قرآنی میں شرکت سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ اس کے انعقاد میں اصل روحِ رواں بھی ڈاکٹر ابصار احمد ہی ہیں۔ یہ پروگرام ہر اعتبار سے بہت مفیدِ مطلب اور کامیاب رہا۔ البتہ اس مختصر تحریر میں اس کانفرنس کی روداد قلم بند کرنا یا تاثرات درج کرنا پیشِ نظر نہیں ہے' بلکہ ایک اور کتاب اور اُس کی روداد سے قارئین کو باخبر کرنا مقصود ہے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ مذکورہ کانفرنس میں محترم ڈاکٹر ابصار احمد کے خطاب میں ایک کتاب کا بطورِ حوالہ ذکر آیا جو ایک مصری مصنف کی جانب سے اسلام کے تصورِ خلافت کے خلاف لکھی گئی تھی اور مصری علماء نے بعد میں اُس کے خلاف متفقہ فتویٰ جاری کیا تھا۔ اسی روز شام کو بعد نمازِ عصر محترم ڈاکٹر صاحب سے اُن کے دفتر میں ملاقات ہوئی تو راقم نے اس کتاب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں مصر کے ایک عالم شیخ علی عبدالرازق کی تصنیف کے طور پر شائع ہوئی' جس کا نام **"الاسلام واصول الحکم"** ہے۔ اس کتاب پر مصر کی جامعہ ازھر نے موصوف کو درجۂ عالمیت سے معزول کر دیا تھا۔ یہ اشارات راقم کے لیے مزید تحقیق کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اور جو کچھ مزید تلاش و جستجو سے سامنے آیا وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ مصر کی تاریخ میں یہ کتاب سب سے زیادہ ردّ و قدح اور بحث و تمحیص کا موضوع رہی ہے۔ اس کے مصنف شیخ علی عبدالرازق جامعہ ازھر کے فاضل تھے اور ایک عدالت میں قاضی شرع کے منصب پر فائز تھے۔ انہیں جامعہ کی جانب سے قضاء اور افتاء کا اہل ہونے کی سند حاصل تھی۔ ۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کی تنسیخ کے بعد علمی حلقوں میں مباحثِ خلافت پر بحث کا ازسرِنو آغاز ہوا تو شیخ علی عبدالرازق نے بھی اپنی تحقیق کا حاصل ۱۹۲۵ء میں قوم کے سامنے پیش کر دیا' جس میں اسلامی تصورِ خلافت سے بغاوت پر مبنی افکار و خیالات کی بھرمار تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ وہی عرصہ ہے جب برصغیر ہندوستان میں بھی مباحثِ خلافت تازہ

☆ awaispasha@quranacademy.com

ہو چکے تھے' مگر اس میں کوئی نہ کوئی رمز ضرور ہے کہ ہندوستان میں اس حوالے سے نقشہ کچھ اور ہی رہا۔ یہاں اوّلاً تحریکِ خلافت کے عنوان سے ایک بھرپور اور پر جوش تحریک احیاءِ خلافت کے لیے جاری ہوئی اور خوب ولولے اور جوش و خروش کے ساتھ علماء ہی نہیں عوام بھی اُس کا حصہ رہے اور قربانیاں دیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہندو بھی اس قومی تحریک سے علیحدہ نہ رہ سکے اور دوسری جانب اسلامی تصورِ خلافت کی تائید اور توضیح کے لیے مولانا ابوالکلام آزادؒ کی جانب سے ''مسئلہ خلافت'' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ بھی منظرِ عام پر آیا جس نے اس موضوع پر پڑی ہوئی علمی گرد و غبار کو بالکل ہی صاف کر دیا۔

؎ صلاح کار کجا و من خراب کجا — ببیں تفاوتِ راہ کز کجاست تا بہ کجا

چہ نسبت است بہ رندی صلاح و تقویٰ را — سماعِ وعظ کجا و نغمۂ رباب کجا

(حافظ شیرازیؒ)

(کہاں وہ صلاح کروانے والا اور کہاں میں فساد کروانے والا! دیکھو اس فرق کو کہاں سے کہاں واقع ہوا ہے۔ رندی کو کیا نسبت تقویٰ اور پاکدامنی سے؟ کہاں وعظ کا سننا اور کہاں نغمۂ رباب سے دل بہلانا!)

مذکورہ کتاب پر ہونے والے معرکہ کی داستان کچھ یوں ہے کہ ۲۲/ محرم ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۲/ اگست ۱۹۲۵ء کو شیخ الازہر محمد ابوالفضل کی سربراہی میں چوبیس علماء کرام جو مصر کی **ھیئۃ کبار العلماء** کے اراکین تھے' **دار الادارۃ العامۃ للمعاید الدینیہ** میں جمع ہوئے اور ''**الاسلام و اصول الحکم**'' کے مندرجات پر محاکمہ کیا اور اس رائے پر پہنچے کہ اس کتاب میں کئی امور ایسے ہیں جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے متصادم ہیں۔ مزید برآں سات نکات کی خصوصاً نشاندہی کی گئی:

(۱) مصنف نے شریعتِ اسلامیہ کو صرف روحانیت کا حامل بتایا ہے اور کہا ہے کہ اسلام کا کوئی تعلق امورِ دنیا' تنفیذِ احکام اور حکومت و سلطنت سے نہیں ہے۔

(۲) نبی اکرم ﷺ کا جہاد امورِ سلطنت اور اُس کی توسیع سے متعلق تھا' نہ کہ امورِ دین یا دعوتِ اسلامی کو تمام عالَم تک پہنچانے کے لیے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ کے عہد میں پایا جانے والا نظامِ حکومت و ریاست غموض' ابہام' اضطراب اور نقص و حیرت کا موجب ہے۔

(۴) نبی اکرم ﷺ کی اصل ذمہ داری صرف اللہ کی شریعت کے پہنچانے یعنی ابلاغ تک ہی تھی' قیامِ حکومت اور نفاذِ شریعت آپ ﷺ کے مقصدِ بعثت کا حصہ نہیں تھے۔

(۵) زمانۂ صحابہؓ میں ہونے والا یہ اجماع کہ نصبِ امام یعنی قیامِ خلافت واجب ہے' کا اس کتاب میں انکار کیا گیا ہے۔ جبکہ اُمت کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے امور کی نگہداشت کے لیے خلیفہ کا تقرر کرے۔

(۶) اس کتاب میں قاضیٔ شرع کے تقرر اور نظامِ قضاء کے تعین کو شرعی ذمہ داری ماننے سے بھی انکار کیا گیا ہے۔

(۷) اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن کے بعد کے خلفاءِ راشدین کی حکومت کی دینی حیثیت سے بھی انکار کیا گیا ہے۔

اس مجلس نے شیخ علی عبدالرازق کو مجلس کے سامنے پیش ہونے اور اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا‘ مگر علی عبدالرازق کو اپنے خیالاتِ فاسدہ پر اصرار رہا۔ چنانچہ جامعہ ازہر کے قانون کی ذیل میں مذکور دفع کے مطابق علی عبدالرازق کو زمرۂ علماء سے خارج کر دیا گیا اور فتویٰ اور قضاء کی سند بھی منسوخ کر دی گئی۔

اذا وقع من احد العلماء أيا كانت وظيفته مالا يناسب وصف العالمية يحكم عليه من شيخ الجامع الازهر باجماع تسعة عشر عالماً معه من هيئة كبار العلماء المنصوص عليها فى الباب السابع من هذا القانون باخراجه من زمرة العلماء ولا يقبل الطعن فى هذا الحكم ويترتب على الحكم المذكور:

فهو اسم المحكوم عليه من سجلات الجامع الازهر والمعاهد الاخرى‘ وطرده من وظيفته و قطع مرتباته فى اى جهة كانت‘ و عدم اهلية للقيام بأية وظيفة عمومية دينية أو غير دينية ...... فبناء على هذه الاسباب :حكمنا نحن شيخ الازهر باجماع اربعة وعشرين عالماً معنا من هيئة كبار العلماء باخراج الشيخ على عبد الرازق احد علماء الجامع الازهر والقاضى الشرعى بمحكمة المنصورة الابتدائية الشرعية و مؤلف كتاب "الاسلام و اصول الحكم" من زمرة العلماء صدر هذا الحكم بدار الادارة العامة الدينية فى يوم الاربعاء ٢٢ من المحرم سنة ١٣٤٤ الموافق ١٢ اغسطس سنة ١٩٢٥م۔ (باختصار من كتاب رد هيئة كبار العلماء على كتاب الاسلام و اصول الحكم)

کبار علماء کی اس مجلس نے علی عبدالرازق کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے جن اسلامی اصولوں کا یا اصرار اعادہ کیا اُن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

مسلمانوں کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے‘ جس میں عقائد‘ عبادات اور معاملات سب شامل ہیں۔ یقیناً دنیوی معاملات کو دینی رہنمائی میں مرتب کرنا دین کا مقصود ہے۔ اس بات کو نہ ماننے والا ان آیات کا کیا جواب دے گا؟

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ﴾(النساء:١٠٥)

’’(اے پیغمبر ﷺ) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تا کہ آپ اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں۔‘‘

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ (المائدة:٤٩)

’’اور جو حکم اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ﴾ (النساء:٥٨)

’’اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ

کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔"

اسلام اور سیاست میں تفریق کرنا اصلاً مسلمانوں کے اُس اجماعِ متواتر سے خارج ہونا ہے جو انہوں نے اپنی پوری تاریخ میں قائم رکھا ہے۔

اسی طرح اس مقدمے کے فیصلے میں اور کئی اہم نکات اسلام کے اصل موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے موجود ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ گزشتہ صدی میں مسلمانوں کے خصوصاً وہ علاقے جہاں غیر ملکی اقوام قابض رہیں' ابتداءً مسلم علماء نے ان کے خلاف خوب زور آزمائی کی' مگر بعد میں شکست خوردگی نے وہ مغلوب نفسیات بھی پیدا کیں جن کا اسلام کے حقیقی اور واقعی تصورات سے دور پرے کا بھی تعلق نہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ دین و مذہب اور سیاست و حکومت کے باہمی تعلق کے بارے میں غلامانہ ادائیں بہت ہی فتنہ انگیز رہی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بطلِ حریت جس کی آنکھ کو جلوۂ دانش فرنگ خیرہ نہ کر سکا' پکار اٹھا کہ:۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

(علامہ اقبال)

شیخ محمد عمارہ نے اپنی کتاب "نقض کتاب الاسلام و اصول الحکم" میں بعض افراد کی جانب منسوب کرتے ہوئے یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ علی عبدالرازق نے اپنے آخری ایام میں اس کتاب کے مندرجات سے رجوع کر لیا تھا۔ اس بارے میں علی عبدالرازق کے بیٹوں کی گواہی بھی پیش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ مصر کی علمی اور ثقافتی تاریخ میں سب سے زیادہ اس کتاب پر ہی ردّ و قدح ہوئی ہے تو دوسری جانب سے اس کتاب کو تائید و حمایت بھی حاصل رہی ہے۔ یعنی ایک عرصے تک تائید و مخالفت پر مبنی لٹریچر سامنے آتا رہا' جیسے شیخ محمد خضر حسین نے ۱۹۲۶ء میں "نقض کتاب الاسلام و اصول الحکم" تصنیف کی' جسے ۱۹۲۸ء میں دکتور محمد عمارہ نے تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔ مفتی اعظم مصر شیخ محمد نجیت مصری نے ۱۹۲۶ء میں "حقیقۃ الاسلام و اصول الحکم" کے نام سے کتاب شائع کی۔ اسی طرح شیخ محمد طاہر بن عاشور نے "نقد علمی" کے نام سے اس کتاب پر تنقید شائع کی۔ جبکہ دوسری جانب عبدالعزیز فہمی نے یہ کہتے ہوئے احتجاجاً وزارت سے استعفاء دے دیا کہ علی عبدالرازق کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ مشہور مصری ادیب استاذ عباس محمود العقاد نے کتابِ مذکور کے حق میں مقالہ شائع کیا اور حریتِ فکر کے لیے آواز بلند کی۔ گویا گزشتہ صدی کے آغاز میں راسخ العقیدہ اسلام اور جدیدیت زدہ تصورات کے مابین لڑائی کے یہ ابتدائی نقوش تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید گہرے ہی ہوتے چلے گئے۔

مصر میں آج بھی یہ کشمکش زوروں پر ہے' مگر ایک واضح فرق یہ واقع ہو چکا ہے کہ اب شیخ الازہر' ھیئۃ کبار العلماء اور مفتی الدیار المصریہ' یہ تینوں مناصب اور فورم سرکاری ہو چکے ہیں۔ جمال عبدالناصر نے مصر کو جدید بنانے کے لیے جو اصلاحات متعارف کروائی تھیں اُن میں ایک دور رس نقصان یہ بھی پہنچایا گیا کہ جامعہ ازہر کی استقلالیت یعنی اُس کا غیر سرکاری ہونا اور اپنے وسائل کے لیے حکومت پر انحصار نہ ہونے کی کیفیت کو ختم کر دیا گیا۔ (باقی صفحہ 78 پر)